# چند تاثرات

چونکہ میرا تعلق سفارت خانہ افغانستان متعینہ ہند سے ۱۹۰۸ء سے بحیثیت ترجمان و سکریٹری قائم رہا اس لئے میں جب کبھی لاہور آتا تھا تو اقبال سے اکثر ملاقات کا شرف حاصل کیا کرتا تھا۔ وہ مجھ سے بہت تپاک سے ملتے اور سفارت و حکومت کے حالات دریافت کرتے ۔ میں ہمیشہ ان کے اشعار سفرائے افغانیہ کے سامنے پڑھ کر ان کے کلام کی ہمہ گیری اور اثر آفرینی کا ذکر کیا کرتا تھا ۔ اقبال زندگی بھر انجمن حمایت اسلام کے حامی کی حیثیت سے بہت دیر تک سیکریٹری اور پھر مدت تک صدر انجمن رہ کر عالم اسلامی کی بالعموم اور مسلمانان ہند کی بالخصوص تعلیمی امداد اور خدمات کے سرچشمہ رہے ۔ چنانچہ امیر حبیب اللہ خان تاجدار افغانستان جب سیاحت ہندوستان پر لاہور آئے تو یہ مرحوم میر شمس الدین صاحب اور اقبال کی مساعی کا ہی نتیجہ تھا کہ حبیبیہ ہال اسلامیہ کالج لاہور کی منظوری ہوئی اور اساس رکھی گئی ۔

جب کبھی بھی مجھے اپنے بعض احباب زادگان کے داخلہ یا اعطائی وظایف میں دقت پیش آئی تو اقبال کے قلم و زبان نے غربا کی امداد کرنے سے کبھی دریغ نہ فرمایا۔ وہ حقیقتاً کریم النفس اور حامی غربا بزرگوار تھے ۔ چونکہ عام طور پر لوگوں کو معلوم تھا کہ تمام سفرائے افغانستان اور خود حکومت افغانستان اقبال کا بہت احترام اور بیحد اکرام کرتے ہیں اس لئے بہت سے لوگ بسا اوقات استحصال ملازمت اور استخدام کے لئے جناب ڈاکٹر صاحب کی وساطت ڈھونڈتے تھے اور جناب موصوف مستحق اشخاص کی امداد کرنے میں کبھی دریغ نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ اکثر تحریراً و تقریراً مجھے اشارہ فرمادیا کرتے تھے اور ان طالبین کا کام بخیر و خوبی انجام پاجاتا تھا۔ لیکن اس سلسلہ میں ڈاکٹر صاحب کو بعض لوگوں کے کردار پر اشتباہ ہوا تو پھر آپ نے ان مساعی سے بہت حد تک ہاتھ روک لیا ۔

جب محمود طرزی صاحب وزیر خارجہ افغانستان امیر امان اللہ کے عہد میں بعد از محاربہ افغانستان و برطانوی ہندوستان میں وفد صلحیہ کے رئیس مقرر ہوکر کوہ منصوری پر پہنچے تو بندہ وفد منصوری کا سکریٹری مقرر ہوگیا ۔ رئیس وفد نے اقبال سے خصوصی مکاتبہ میں مشاورت کی کہ وہ انہیں انگریزوں سے حصول مراعات لازمہ کے بارہ میں اپنی رائے بیضا ضیا سے مستفید کریں۔ چنانچہ علامہ مرحوم وقتاً فوقتاً اپنی رائے اور اشارات سے مستفیض فرماتے رہے اور محمود طرزی مرحوم نے کابل واپس جاتے ہوئے میرے توسل سے اقبال کا بیحد شکریہ ادا کیا ۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ قیام وفد صلحیہ افغانستان کے زمانہ میں سیوائے ہوٹل منصوری میں انجمن حمایت اسلام لاہور کی طرف سے ایک نمایندہ اعانت کے لئے وفد سے ملاقات کرنے کا خواہشمند تھا ۔ اور وفد کے قیام کے زمانہ میں

منصوری میں اس قدر خفیہ پولیس کے آدمی مقرر تھے کہ ہر شخص پر سی۔ آئی۔ ڈی کا شبہ ہوتا تھا اور سلجوق صاحب سفیر کے قول کے مطابق :

از رمہ کردہ سگ ہا بسیار بود

یعنی ریوڑ اتنا زیادہ نہ تھا جتنے کتے تھے ۔ جناب محمود طرزی رئیس وفد افغانستان ہوٹل کے ایک برآمدہ میں بیٹھے مجھ سے اخبار و اطلاعات سن رہے تھے ۔ سامنے ہوٹل کے دروازے پر جو نظر پڑی تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک معمر سفید پوش متدین سے شخص کو سی آئی ڈی والے برابر دھکے دے رہے ہیں اور گالیاں دیکر دروازے سے باہر نکال رہے ہیں۔ میں نے طرزی صاحب کو کہا کہ دیکھئے صاحب غالباً کوئی شخص ملاقات کو آنا چاہتا ہے لیکن یہ سی آئی ڈی والے اس سے بیحد بے احترامی اور ہتک کا سلوک کر رہے ہیں ۔ اس پر مجھے کہا گیا کہ جاکر دیکھوں کہ کیا ماجرا ہے ۔ جب میں وہاں پہنچا تو اس نمایندہ نے مجھے ایک معرفی نامہ دیا جو ڈاکٹر صاحب کا تھا ۔ اس پر میں نے ان لوگوں کو خوب ڈانٹا ڈپٹا اور نمایندہ موصوف کو بہت بہت تسلی اور دلجوئی سے محمود طرزی صاحب کے پاس لے گیا ۔ طرزی صاحب نے اسے نوازش بزرگانہ سے پاس بٹھا لیا اور فوراً مسٹر ایچیسن مہماندار انگریزی کو بلایا کہ اولاً اگر ہم لوگ قیدی ہیں اور کسی کو ہم سے ملنے کی اجازت نہیں تو کسی کو ڈیرہ دون سے آگے آنے کی اجازت ہی کیوں دی جاتی ہے ۔ اور ثانیاً اگر کوئی ہمارے رفیق محترم کا رقعہ لیکر اتنے لمبے سفر کے مصائب برداشت کرکے یہاں پہنچ بھی جاتا ہے تو پھر ہماری آنکھوں کے سامنے اسے کیوں پیٹا اور بے عزت کیا جاتا ہے ۔ اس کے بعد اگر ہم نے دیکھا یا سنا کہ کسی سی آئی ڈی والے نے ہمارے کسی ملنے والے سے ایسا سلوک کیا تو نتائج کی ذمہ داری ہرگز وفد پر عائد نہ ہوگی ۔ اس انتباہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت مدت تک کوئی سی آئی ڈی والا دائرہ ہوٹل میں قطعاً نظر نہ آیا۔ چنانچہ اس نمایندہ کی کئی دن مہمانی کی گئی اور ایک ہزار روپیہ عطیہ کے طور پر دیا گیا اور جناب ڈاکٹر صاحب کو رقعہ بھیج کر تسلی دی گئی کہ عنقریب مذاکرات کے خاتمہ پر انجمن حمایت اسلام کے لئے کافی رقم مقرر کی جائے گی ۔ جناب علامہ مرحوم نے نہایت شائستہ الفاظ میں شکریہ ادا فرمایا ۔ اس عبارت سے مقصود یہ ہے کہ حضرت حکیم الامت کا تعلق ہمیشہ سفارت خانہ سے رہا اورانہیں ہر سفیر بیحد احترام کی نگاہ سے دیکھتا رہا ۔ لیکن علامہ صاحب کے تعلقات جناب صلاح الدین سلجوق سے تو عشق کی حد تک پہنچ چکے تھے ۔ چنانچہ ان تعلقات کا خواجہ اے رحیم اور راجہ حسن اختر صاحبان کو بخوبی علم ہے ۔ ایک دفعہ ڈاکٹر صاحب بمبئی تشریف لے گئے تو جناب صلاح الدین سلجوق وہاں بحیثیت افغان قونصل والکشور میں مقیم تھے اور ڈاکٹر صاحب سلطان مینشن دفتر خلافت کے مہمان تھے۔ جب سلجوق صاحب کو اس کا علم ہوا تو فوراً ایک رکن سفارت کو رقعہ دے کر بھیجا جس میں صرف یہی شعر لکھا تھا :

بیا بمیکده و چهره ارغوانی کن
مرو بصومعه کانجا ریاکارانند

مخلص سلجوقی

حضرت اقبال نے جو پہلے سے ہی صلاح الدین سلجوقی کی علم دوستی اور محبت کا چرچا سن چکے تھے اور مکاتبہ سے علایق مؤدت قائم کر چکے تھے فوراً بوریا بستر لپیٹا اور سفارت خانہ میں آن بسیرا لیا۔ پھر کیا تھا شب و روز مجالس علمی گرم ہیں اور رشتہ محبت و ارتباط یوماً فیوماً بڑھتا گیا۔ جناب سلجوقی صاحب بمبئی میں قونصل افغانستان کی حیثیت سے مامور تھے۔ جناب ڈاکٹر صاحب بمبئی سے چند روزہ قیام کے بعد اخلاص باہمی کے بہت گہرے اثرات لے کر آئے۔ اسی اثنا میں دہلی کے جنرل قونصل گری سردار عبدالرسول خانصاحب دہلی سے تبدیل ہو کر کابل چلے گئے۔ جناب اقبال نے سلجوقی صاحب کی صلاحیت اور قابلیت و محبوبیت کو مدنظر رکھ کر حکومت افغانستان سے پرزور تحریک کی کہ اگر سلجوقی صاحب کو دارالحکومت ہندوستان میں بطور جنرل قونصل مقرر کرکے بھیجا جائے تو نہایت ہی موزوں ہوگا۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب کو عالم اسلام کا خیر خواہ اور نفسی اغراض سے مبرا اور بالاتر بزرگ سمجھ کر ان کی تحریک قبول کرکے حکومت نے جناب صلاح الدین سلجوقی کو دہلی شملے کا سفیر مقرر کرکے افغانستان کی محبوبیت کو دنیائے ہندوستان میں چار چاند لگا دیئے۔ اس کے بعد ہر شخص خیال کرسکتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب اور سلجوقی صاحب کے یگانہ تعلقات کا کیا عالم ہوگا۔

جناب سلجوقی صاحب کے زمانہ قیام شملہ میں ایک دفعہ ڈاکٹر صاحب نے سلجوقی صاحب کو اطلاع فرمائی کہ وہ ایک مقررہ تاریخ کو چند روز کے لئے شملہ تشریف لارہے ہیں لیکن ان کا قیام شیخ اصغر علی صاحب کمشنر لاہور کے پاس ہوگا سلجوقی صاحب نے بندہ سے فرمایا کہ ڈاکٹر صاحب کی موٹر آج بالو گنج بیریئر ( Boileu Gunge ) سے گذرے گی۔ یہ آپ کی بیحد ہمت اور مردانگی ہوگی کہ جناب ڈاکٹر صاحب کو موٹر سے اتار کر بجائے چھوٹے شملے جانے او شیخ اصغرعلی صاحب کے ہاں مقیم ہونے کے یہاں سمرہل سفارتخانہ میں لے آؤ۔ چنانچہ میں چند افغانی مسلح گارد کے سپاہیوں کو سلامی دینے کے لئے ہمراہ لے گیا اور بیریئر پر موٹر کا انتظار کرنے لگا۔ اتنے میں کئی موٹریں آئیں اور چلی گئیں لیکن علامہ ان میں موجود نہ تھے۔ اتنے میں ایک موٹر آئی جس میں حضرت ڈاکٹر صاحب رونق افروز تھے۔ اس روز اقبال نے خلاف معمول لنگی باندھ رکھی تھی۔ مجھے پہچاننے میں ذرا دقت ہوئی لیکن جونہی پہچانا میں ان سے بغلگیر ہوا۔ مزاج پرسی کے بعد میں نے عرض کیا کہ میں مامور ہوں کہ جناب کو آگے جانے کے بجائے سفارت خانے لے چلوں اور میں نے مذاقاً عرض کیا کہ حضور اگر آپ سیدھی طرح نہیں چلیں گے تو یہ چند مسلح افغان جو آپ کی سلامی اتارنے کی خاطر آئے ہیں آپ کو اغوا کر کے لے چلیں گے۔ اس پر اقبال نے فرمایا کہ میرا بستر موٹر سے اتار لیا جائے اور

شیخ اصغر علی صاحب کو ٹیلیفون پر کہ دیا جائے کہ ڈاکٹر صاحب کو سلجوقی صاحب سفیر افغانستان نے بالو گنج اتار لیا ہے ۔ لیکن ساتھ یہ بھی کہ دینا کہ شیخ اصغر علی آج لنچ سفارت خانہ میں میرے ساتھ ہی کھائیں - چنانچہ حکم کی تعمیل کی گئی اور شیخ اصغر علی نے لنچ کی دعوت قبول کرلی - جب شیخ اصغر علی لنچ پر آئے تو ڈاکٹر صاحب نے مزاحاً فرمایا : شیخ صاحب اگر عجب خان مس ایلس کو اغوا کرکے لے گیا تھا تو اس میں مس ایلس کا کوئی قصور نہ تھا وہ بیچاری قطعاً بے گناہ تھی ۔ اس میں اشارہ یہ تھا کہ اگر سلجوقی نے عجب خان کا پارٹ پلے کرکے مجھے اغوا کرلیا اور سفارت خانہ میں لے آیا تو میرا کوئی قصور نہ سمجھا جائے ۔ اسی لطیفہ پر ساری محفل کشت زعفران بن گئی ۔ لنچ ختم ہو چکنے پر جب ڈاکٹر صاحب استراحت کے لئے اپنے کمرہ میں تشریف لے گئے اور ڈاکٹر صاحب کا صحابی علی بخش بھی جو ہر شخص کو معلوم ہے سفر و حضر میں علامہ مرحوم کے ساتھ رہتا تھا کمرہ میں پاؤں دبانے چلا گیا تو سلجوقی نے مجھ سے پر محبت لہجہ میں کہا کہ واللہ خیلے همت کردید کہ ایں شخص بزرگ و مشفق را آورد ید ورنہ اندیشناک بودم کہ پروگرام خود را تبدل نخواهند نمود ۔ اس کے بعد کئی دعوتوں کا شملہ میں شیخ اصغر علی اور دیگر اکابرین شملہ کے ہاں رد و بدل ہوتا رہا ۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ جب میں لاہور آیا تو ڈاکٹر صاحب کی ملاقات کا شرف حاصل کیا - ڈاکٹر صاحب حسب معمول نہایت سادگی سے چارپائی پر ننگے سر لوئی اوڑھے لیٹے ہوئے حقے کے کش لگا رہے تھے ۔ انہوں نے نہایت مہربانی اور گرمجوشی سے میری پذیرائی فرمائی ، اور بھی کئی اهل علم استفادہ علمی اور سیاسی کے لئے رونق افروز تھے ، باتیں ہوتی رہیں ۔ کچھ دیر کے بعد دیگر لوگ اٹھ کر جاتے رہے ۔ اسی ضمن میں ڈاکٹر صاحب فرمانے لگے کہ جاوید منزل مکمل ہو گئی ہے لیکن مجھے افسوس ہے کہ جائیداد تین روز بھی کیوں میرے نام سے منسوب رہی ہے - اسی روز ڈاکٹر صاحب نے اسے اپنے فرزند جاوید کے نام منسوب و منتقل کردیا اور فرمایا کہ دنیا میں درویش کے پاس کچھ بھی نہیں ہونا چاہئے ۔ اقبال نے اس وقت ایک شعر فرمایا جو بدبختانہ مجھے یاد نہیں رہا لیکن اس کا مطلب اور مضمون بالکل اسی شعر کے مرادف تھا ۔

ما هیچ نداریم و غم هیچ نداریم دستار نداریم غم پیچ نداریم

اس سے ڈاکٹر صاحب کی شان غنا و بے نیازی ترشح ہوتی ہے ۔

ایک دن ڈاکٹر صاحب مرحوم نے اثنائے ملاقات میں اپنی زبان فیض ترجمان سے فرمایا : میں نواب صاحب بہاولپور ( جو بہت ہی وسیع الاخلاق اور اقبال دوست حکمران تھے ) کے بلانے پر وهاں ( بہاولپور ) گیا ہوا تھا ۔ نواب صاحب نے حسب العادت بہت اعزاز و اکرام فرمایا اور چندے بعد کہا کہ اگر آپ وزارت عظمیٰ کا عہدہ قبول فرمالیں تو ریاست بہاولپور کے لئے موجب افتخار و ترقیات ہوگا ۔ اس پر ڈاکٹر صاحب نے ( جو ریاست کی پارٹی بازی اور سیاست مداری سے بخوبی واقف تھے کیونکہ ان کی آنکھوں کے سامنے کئی وزیر اعظم

آئے اور کئی بمصداق ع بہت بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے ہم نکلے ریاست سے چلے گئے یا جبراً نکالے گئے) فرمایا نواب صاحب محترم! میں آپ کی شاہانہ پیشکش کا بیحد شکر گذار ہوں۔ عطیہ تو بے شک بہت دلکش و دلچسپ ہے بمصداق مگر

بدریا در منافع بے شمار است  وگر خواہی سلامت برکنار است

لیکن سیاسیات حاضرہ کو مد نظر رکھ کر میں نہیں چاہتا کہ ایک روز دست بدست دگرے اور پا بدست دگرے ہو کر ریاست سے نکلوں ' پہلے ہی قبولیت سے انکار کردوں ۔ اس پر جناب نواب صاحب نے کچھ وظیفہ مقرر فرمادیا اور اصرار نہ فرمایا اور بہت عزت سے ریاست سے مرخص کیا ۔

علامہ مرحوم و مغفور خود ایک دفعہ سفیر صاحب افغانستان کی مجلس میں حکیم نابینا صاحب مرحوم مقیم دھلی کی حذاقت و مہارت کا ذکر کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ میں درد گردہ کا پرانا مریض تھا چنانچہ اس درد سے میں اکثر بے تاب اور نیم جان ہوجایا کرتا تھا اور جب میرے مرض نے سخت اشتداد کی صورت اختیار کرلی تو میں کوشش کر رہا تھا کہ کچھ رقم جمع کرکے آسٹریا جاکر آپریشن کراؤں تاکہ اس مرض نابکار سے چھٹکارا حاصل ہو۔ اسی اثنا میں میری عسرت اور شدت مرض کی اطلاع جناب حکیم نابینا صاحب مرحوم تک پہنچ گئی جس پر حکیم صاحب نے مجھے تار کے ذریعہ اطلاع دی کہ آسٹریا جانے سے قبل علاج کے سلسلہ میں پہلے آن سے مل لوں۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب دھلی روانہ ہوئے اور سفر کے دوران میں ہی مرض کا دورہ آ پڑا اور اسٹیشن دھلی سے سٹریچر پر ڈال کر اقبال کو حکیم نابینا کے مسکن پر قریب جامع مسجد دھلی پہنچایا گیا۔ حکیم صاحب نے سب کوائف سن کر ایک دوا عطا کی اور کہا کہ چند گھنٹے کے بعد آپ کو پیشاب بالکل سیاہ رنگت کا آئے گا۔ اس کی سیاہ رنگت سے گھبرانا نہیں ۔ شدید درد کے بند کرنے کے لئے بھی دوا تجویز کی گئی جس سے درد کا اشتداد جاتا رہا اور نیند آجانے سے بعد تسکین و راحت حاصل ہوئی ۔ ٹھیک وقت مقررہ پر ڈاکٹر صاحب کو پیشاب کی حاجت ہوئی اور فی الواقعہ پیشاب نہایت سیاہ رنگ کا تھا لیکن جوں جوں پیشاب خارج ہوتا گیا، ڈاکٹر صاحب کی جان میں جان آتی گئی ۔ آخرش حکیم صاحب نے گفتگو کے دوران میں خود ہی فرمایا کہ سنگ مثانہ اور گردہ کی پتھری دوا سے تحلیل ہوکر پیشاب کے ذریعہ کاملاً خارج ہوجائے گی اور پھر کبھی ایسا درد یا دورہ نہیں پڑے گا ۔ چنانچہ اقبال نے فرمایا کہ مجھے بالکل آرام ہوگیا اور وہ دن اور آج کا دن ہے مجھے معلوم ہی نہیں کہ آیا مجھے درد گردہ کی شکایت کبھی تھی بھی یا نہیں اور حکیم صاحب کی توجہ و عنایت سے میرے سفر اور آسٹریا میں آپریشن کے جملہ مصارف اور زحمات بچ گئیں اور ہمیشہ بعد ازاں میں حکیم نابینا صاحب کی طبی قابلیت اور حذاقت کا قائل رہا ۔ وہ لوگ جو ہر شعبہ میں یورپی تفوق کے دادادہ ہیں اور یونانی طب سے اعراض اور احتقار کا برتاؤ کرتے ہیں ڈاکٹر صاحب ان کو یونانی طبی اعجاز کا درس دیا کرتے تھے ۔ ایک مجلس میں کسی شخص نے چند طبی لطائف بیان کئے

اور کہا کہ پشاور میں ایک حکیم عبداللہ نامی رہتے تھے۔ ان کے متعلق مشہور تھا کہ جب وہ قبرستان میں سے گذرتے تو منہ پر کپڑا ڈال لیتے تھے ۔ کسی نے اس کا سبب دریافت کیا تو جواب ملا کہ چونکہ یہ سب مردے میرے علاج کے شرمندۂ احسان ہیں لہذا مجھے ان سے شرم آتی ہے اور میں منہ ڈھانک لیتا ہوں کہ ان کو کیا منہ دکھاؤں ۔ اس شخص نے اسی حکیم عبداللہ کے متعلق ذیل کے چند اشعار بھی ڈاکٹر صاحب کو سنائے اور کہا :

ملک الموت رفت پیش خدا گفت اے لا یزال بے ہمتا
در پشاور حکیم عبداللہ من بکے می کشم و او صدتا
یا مرا ازین کار معطل کن یا او را خدمت دگر فرما

اس پر ڈاکٹر صاحب خوب ہنسے اور فرمایا کہ Quacks سے اور کیا امید ہوسکتی ہے ۔

جب سردار صلاح الدین سلجوقی سفیر افغانستان متعینۂ دہلی کے ایما پر اقبال، سید سلیمان ندوی اور سر سید راس مسعود کا تعلیمی اور عرفانی وفد کابل گیا تو در حقیقت اصل مقصد یہ تھا کہ اعلیٰ حضرت غازی محمد نادر خان ، سلجوقی صاحب کی مدح و ثنا اور تشویق کے باعث ڈاکٹر صاحب مرحوم سے ملنا چاہتے تھے ۔ چنانچہ اس وفد سے تعلیمی مشاورت کا استفادہ کرنے کے نام سے علامہ اقبال کو کابل بلایا گیا ۔ پہلے راقم الحروف کو وفد کے ساتھ بھیجنا تجویز ہوا پھر یہ دیکھتے ہوئے کہ میرے جانے سے سفارت خانہ کے کاروبار میں ہرج ہوگا میرے بھانجے مسٹر عبدالمجید کو جو ٹائپسٹ اور اسسٹنٹ سکریٹری تھے بحیثیت اتاشی وفد کے ساتھ بھیجا گیا ۔ اس وفد کی کابل میں وہ آؤ بھگت ہوئی کہ اس کی نظیر افغانستان کی تاریخ میں نہیں مل سکتی ۔ چنانچہ اقبال نے ایک مجلس میں بزبان خود فرمایا کہ میں نے سوچا کہ اگر کوئی موٹر تحفتاً لے جاؤں تو اعلیٰ حضرت کے پاس بحیثیت ایک اولوالعزم پادشاہ ہونے کے ہر ساخت کی اعلیٰ سے اعلیٰ موٹریں موجود ہوں گی ۔ علیٰ ہذا القیاس قلم تحریر یا اور تحائف کے متعلق بھی یہی خیال کیا ۔ ہو نہ ہو کوئی ایسا تحفہ لے جاؤں جو اپنی مثال میں بے نظیر اور رفیع المرتبت ہو ۔ چنانچہ اسی غرض کے لئے ایک تاریخی مطلا اور مذہب حائل شریف قرآن تجویز کی گئی اور جب ڈاکٹر صاحب حضور شاہانہ میں پیش ہوئے تو اعلیٰ حضرت محمد نادر خان شہید کی آنکھوں میں وفور اخلاص سے معانقہ کے وقت آنسو ڈبڈبا آئے اور اعلیٰ حضرت فرمانے لگے کہ الحمد للہ میں اس روز کو یوم السعید سمجھتا ہوں کہ میری دیرینہ آرزو پوری ہوئی ۔ ڈاکٹر صاحب نے بھی نہایت اخلاص بھرے الفاظ میں اظہار عقیدت فرمایا جس کے معانی اس کے لگ بھگ تھے :

بیا بیا کہ بدامان نادر آویزیم کہ مرد نیک نہاد است و پاک طینت است
فقیرے در لباس خود امیرے امیرے درد مندے دل پذیرے

معانقہ اور ملاقات شاہ افغانستان اور شاہ سخنستان کا سماں ایسا دلچسپ تھا کہ دائرہ تحریر میں نہیں سما سکتا ۔ بہر حال جب سلام و پیام کا دور ختم

ہوا تو اقبال نے فرمایا کہ اعلیٰ حضرت میں نے کوئی ہدیہ اور تحفہ حضور شاہانہ میں تقدیم کرنے کے لئے بہت تفکر و تدبر سے کام لیا لیکن دنیا کی ہر چیز مجھے حقیر نظر آئی ۔ ان کی بابت میں نے خیال کیا کہ بحیثیت ایک جلیل القدر تاجدار نامدار افغانستان ہونے کے آپ کو وہ سب اشیا و نعمائے الٰہی بدرجہ اتم و اعظم حاصل ہیں لہٰذا میں یہ حمائل مبارکہ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں تقدیم کرتا ہوں جس کے کلام الملوک، ملوک الکلام ہونے میں کوئی ریب و شک نہیں۔ اس پر محمد نادر خان شہید نے تعظیماً سر و قد کھڑے ہو کر حمائل مبارکہ کو بوسہ دیکر دونوں ہاتھوں سے سر و چشم پر رکھا اور فرمایا کہ ڈاکٹر صاحب معظم آپ نے یہ ہدیہ مبارکہ عطا کر کے مجھے دونوں جہان کی بادشاہی بخش دی ہے ۔ اس عطیہ بزرگانہ کے تشکر کے لئے میرے پاس کافی الفاظ نہیں، اب دعا فرمائیے کہ اللہ مجھے اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے ۔ چنانچہ یہ مجلس نہایت تزک و احتشام سے ختم ہوئی اور ڈاکٹر صاحب فرمانے لگے کہ مجھے اس مجلس کے محبت آمیز و ولولہ انگیز تاثرات مادام الحیات فراموش نہیں ہوں گے ۔

افغانستان میں حکومت کی طرف سے اس وفد کی تعظیم و تکریم اور ابراز اعزاز و اکرام میں کوئی دقیقہ فر و گذاشت نہ کیا گیا ۔ چنانچہ اقبال نے ایک مجلس میں کوہ پغمان کا ذکر ان ڈرامائی الفاظ میں فرمایا ۔ کہ جب ہماری موٹر پغمان کے دائرہ میں پہنچی تو مظاہر و مناظر قدرت کا وہ بے نظیر اور دلفریب سماں دیکھا کہ خود بخود خیال ہوتا تھا کہ

آنچہ می بینم بہ بیداریست یا رب یا بہ خواب

پغمان کی نہایت وسیع آئینہ نما و دلکشا سڑک بلور کی طرح شفاف و درخشاں جس میں سے انسان کا چہرہ نظر آتا تھا یورپ کی خوبصورتی کو مات کرتی ہے تھی ۔ سڑک کے دو رویہ چنار کے درجہ و ترتیب وار سرسبز درخت پہلے چھوٹے پھر اس سے بڑے پھر اس سے بڑے یہاں تک کہ اخیر میں ان کے سر فلک شگاف معلوم ہوتے تھے اور وہ دیدہ افروز نظارہ پیش کرتے تھے کہ جس کا تذکرہ دائرہ بیان میں نہیں آسکتا ۔ سڑک کے چو طرفہ ساتھ ساتھ خیابان تھے جن میں سرخ بجری بچھی ہوئی ایسی معلوم ہوتی تھی کہ گویا یاقوت سائیدہ گستردہ شد یعنی یاقوت کو پیس کر بچھا دیا گیا ہے اور آفتاب کی کرنوں سے بجلی کی طرح بجری کے ذرے چمکتے تھے اور ان خیابانوں سے پرے سبز گھاس کے وسیع چمن ایسے معلوم ہوتے تھے جیسے سبز و شاداب مخملی قالین بچھائے ہوئے ہیں ۔ ان چمنوں میں تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر مدور طبقات گل تھے اور ان میں ایسے بو قلمون قسم کے خوش رنگ پھول تھے کہ جن کی نظر فریبی کی وجہ سے آنکھیں وہاں سے ہرگز ہٹنا نہیں چاہتی تھیں لیکن جب دوسرے طبقۂ گل کی طرف نظر دوڑتی تھی تو ان پھولوں کی خوبصورتی اور رعنائی کی وجہ سے پہلے پھولوں کی جاذبیت بھول جاتی تھی۔ دل چاہتا تھا کہ ہمیشہ ہی دیکھتا رہے غرضیکہ ہر طرف ایسا خوشگوار منظر تھا کہ قدرت الٰہی کا جلوہ نظر آکر یہی شعر یاد آتا تھا :

سبحان من تحير في صنعه العقول

سبحان من بقدرته تعجب الفحول

چمنستانوں کے پرے دو طرفہ نہر جاری ہے جس کے دونوں کناروں پر ثمر ور درخت سایہ فگن ہیں اور جنات تجری من تحتہا الانہار کا عملی نمونہ اور جلوہ پیش کرتی ہیں ۔ نہر سے پرے سفیدسفید انڈا نما کوٹھیاں اور کوٹھیوں میں کہیں کہیں خوبصورت افغانی عورتوں کی جو نہایت عمدہ لباس میں ملبوس نظر آتیں یا انکی جھلک پڑتی تو حور مقصورات فی الخیام کا نقشہ سامنے ہوتا تھا ۔ ہر جانب یہ فردوس نما سماں یہی خیال اور تصور پیدا کرتا تھا کہ انسان عالم فانی سے عالم جاودانی میں پہنچ گیا ہے۔ آگے جاکر پہاڑ سے آبشار گرتی ہے اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ پگھلی ہوئی چاندی کا دھارا پہاڑ سے گرکر ایک ترانہ گا رہا ہے ۔ اس نقرہ نما پانی کے گرنے سے نہایت سرد نسیم پیدا ہوتی ہے اور وہ نسیم خوش آئند دماغ میں داخل ہوکر دماغ کے ہر خلیہ میں تلاش کرتی ہے کہ اگر کوئی بیماری ہو تو اسے پھینک کر نکال دے۔ ایسی آب و ہوا کی موجودگی کسی بیمار کو نزدیک نہیں آنے دیتی ۔ المختصر ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ میں نے نیلپز ، وینس ، ہوادی ہولو ، جنیوا ایسے مقامات تفریحی دیکھے ہیں ۔ لیکن ان کو یہاں کے سے پر فضا، خوش ہوا کثیر المناظر تفریحی مقام سے کوئی نسبت ہی نہیں معلوم ہوتی ۔ گویا کہ یہ قطعہ قطعۃ من الجنۃ ہے۔ جب سب مناظر دیکھنے کے بعد ایک چمن سبزہ زار میں واپس آئے تو میں حکومت افغانیہ کی خوش سلیقگی سے حیران ہوگیا۔ چمن بھی سبز اور اس پر سبز مخملی گلدار قالین پھر سارا فرنیچر بھی سبز رنگ حتیٰ کہ سامان، چائے، چینک، پیالیاں وغیرہ بھی سراسر سبز ۔ اس پر خدمتگاروں کے سبز لباس عجیب نضارت و یکسانی و شادمانی کا سماں پیش کر رہے تھے۔ جب ایسے پر فضا خوشگوار اور یک رنگی خوشنما کے ماحول میں ہم کرسیوں اور کوچوں پر بیٹھ گئے اور چائے نوشی کی مجلس شروع ہوئی تو پاس ہی سنگین فوارے بھی سبز پتھر کے بنے ہوئے کھول دیئے گئے۔ چونکہ ہوا سرد تھی جناب اقبال کو سردی محسوس ہوئی تو آپ نے فرمایا :

ہوا سرد است، فوارہ را بستہ کنید دریں خنکی از فوارہ چہ مقصد است یعنی ہوا ٹھنڈی ہے فوارے بند کرو ۔ فواروں سے اس سردی میں کیا مقصد ہے ؟ یہ جملہ سن کر جناب سردار فیض محمد خان جو اس وقت حکومت افغانیہ کے وزیر معارف اور وفد کے مہماندار شاہی مقرر تھے ۔ فی البدیہہ شعر کہنے لگے کہ اس فوارہ سے یہ مقصد ہے :

عقد مروارید می سازد نثار مقدمت ورنہ از فوارہ مقصود دگر کے دارد آب

یعنی فوارہ موتیوں کی لڑیاں پرو پروکر اپنے مہمانان عزیز کے سر پر نچھاور کر رہا ہے ۔ نہیں تو پانی کا فوارے سے اور کیا مقصد ہے ؟ ڈکٹور مرحوم یہ فی البدیہہ شعر سن کر عش عش کرکے پھڑک گئے اور ہر طرف سے تحسین

آفرین کے آوازے بلند ہوئے لیکن ڈاکٹر صاحب کب اچھلے بیٹھنے والے تھے ۔ وہ بھی سردار فیض محمد خان صاحب کا شعر پڑھ کر فوراً فرمانے لگے :

مہربانی ھا کہ بر من کردہ‘ سازد شمار ورنہ ازفوارہ مقصود دگر ہم دارد آب

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ جب سے میں وارد افغانستان ہوا ہوں اور آپ نے جو بے شمار مہربانیوں کی بوچھاڑ مجھ پر کی ہے‘ پانی کے قطرے تسبیح کے دانے بن کر انہیں شمار کر رہے ہیں ورنہ اس کے سوا بھی پانی کے فوارے سے بہت سے مقاصد ہوسکتے ہیں۔ اس طرح علمی مذاکرات میں رشک آفرین مجلس ختم ہوئی ۔

کون نہیں جانتا کہ اقبال نہایت ظریف الطبع بزرگ تھے۔ میرے بھانجے عبدالمجید اتاشی سے بہت مہربانی کرتے اور اکثر مذاق کرلیتے تھے۔ میرے بھانجے نے کہا کہ دکتور صاحب کیا اچھا ہو کہ آپ بھی جیسا کہ لوگ انگلستان سے یادگار کے طور پر بیویاں لے آتے ہیں افغانستان کا تحفہ ایک افغانی خاتون سے شادی کرکے لے جائیں ۔ اس پر اقبال کو بہت دلچسپی ہوئی تو متبسم ہو کر عبدالمجید سے کہنے لگے : مجید صاحب کیا کوئی افغانی خاتون مجھ سے شادی کرنا پسند کرے گی؟ تو مجید صاحب نے کہا کہ واہ صاحب آپ پادشاہ سخن اور مشاہیر زمانہ یکتائے روزگار کے سامنے سینکڑوں اکابرین افغانستان اپنی صبیات پیش کردیں گے ۔ ڈاکٹر صاحب فرمانے لگے کہ مجید صاحب یہ آپکی خوش فہمی ہے ۔ مجید نے کہا کہ صاحب اگر آپ کا حکم ہو تو میں اس بارے میں کوئی ذکر اور سر رشتہ کروں ۔ تو ڈاکٹر صاحب ہنس کر فرمانے لگے مجید صاحب آپ تو پندرہ برس سے سفارت خانہ میں ترجمانی کا کام کر رہے ہیں ، آپ کو تو معلوم ہوگا کہ اگر میں نے افغانی خاتون سے شادی کرلی تو وہ مجھ سے کیسا برتاؤ کرے گی ۔ اس پر مجید صاحب نے کہا کہ برتاؤ اچھا ہی کرے گی ، ہاں سویرے منہ نہار آپ کو جگا کر حکم کیا کرے گی : او ڈاکٹر او ڈاکٹر بر خیز برائے من چائے تیار کن ۔ یعنی او ڈاکٹر اٹھ فوراً میرے لئے چائے تیار کر۔ اس پر ڈاکٹر صاحب بہت دلچسپی سے ہنسے اور کہا کہ مجید صاحب کیا وہ سچ مچ مجھ سے یہ کہیگی کہ اٹھ چائے تیار کرلے ۔ مجید صاحب نے کہا کہ واللہ وہ ضرور یہ کہیگی اور اگر اس کو ایک وقت بھی چائے نہ ملی تو وہ آپ کی وہ گت بنائے گی کہ آپ کو نانی یاد آجائیگی ۔

ڈاکٹر صاحب ہنس کر فرمانے لگے کہ مجید صاحب کیا یہ سچ ہے ؟ تو مجید صاحب خوش مزاجی سے کہتے تھے کہ واللہ این درست است۔ بخدا یہ سچ ہے - بلکہ کوئی کوئی خاتون تو یہ کہنے سے بھی نہ جھجھکے گی کہ او ڈاکٹر او ڈاکٹر بر خیر چائے دم کن۔ کہ او ڈاکٹر اٹھ چائے تیار کر۔ اور اگر آپ نے سستی دکھائی تو برملا کہدیگی کہ آوے خدا زدہ ڈاکٹر خیلے تنبل آدم ہستی ۔ او خدا کی مار ڈاکٹر تو بڑا سست آدمی ہے۔ تو اس پر ڈاکٹر صاحب دل بھر کر ہنسے اور جب کبھی تفریح کو دل چاہتا تو مجید صاحب سے ڈاکٹر صاحب فرماتے کہ خوب مجید صاحب وہ خاتون افغان اور کیا کہیگی تو مجید صاحب کہہ دیتے کہ واللہ بسا اوقات وہ خاتون افغانی نارافگی کے وقت پکی تواضع بھی کردے گی ۔

محمد فاضل